بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وحدتِ ملّت!

(پرویز صاحب کی ایک تقریر)

یوں دیکھئے تو ساری دنیا میں انسان بستے ہیں جو (سب کے سب) ایک ہی نوع کے افراد ہیں۔ لیکن ان کے اختلافات پر نگاہ ڈالیئے تو ایسا دکھائی دے گا گویا دنیا کی آبادی مختلف قسم کی مخلوقات کا مجموعہ ہے جن میں سوائے شکل و صورت کے اور کوئی بات بھی مشترک نہیں۔ کہیں ان میں خاندانوں کا اختلاف ہے، اور ہر خاندان دوسرے خاندان کا دشمن ہے۔ کہیں ذاتوں اور برادریوں کا اختلاف ہے، اور ہر برادری دوسری برادری سے بیر رکھتی ہے۔ کہیں قوموں کا اختلاف ہے اور ہر قوم دوسری قوم کو نگلنے کی فکر میں دکھائی دیتی ہے۔ ایک ہی قوم کے اندر، سیاسی پارٹیوں کا اختلاف ہے اور ایک پارٹی دوسری پارٹی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی رہتی ہے۔ ان تمام اختلافات سے اوپر چلیئے، تو مذہب کا اختلاف ہے، اور ایک مذہب دوسرے مذہب کو مٹانا فریضۂ خداوندی سمجھتا ہے۔ پھر مذاہب کے اندر فرقوں کا اختلاف ہے، اور ہر فرقہ دوسرے فرقے کو جہنّم کا ایندھن قرار دیتا ہے۔ غرضیکہ انسان کی نوع تو ایک ہے لیکن باہمی اختلافات سے اس طرح بٹی ہوئی ہے کہ ان میں کوئی شے (بجز باہمی عداوت) بطور قدرِ مشترک دکھائی نہیں دیتی۔

نوعِ انسان کے اختلافات

قرآنِ کریم نے، اس طرح اختلافات سے بٹے ہوئے انسانوں کو مخاطب کیا اور ان سے کہا کہ تمہیں اس کا علم و احساس بھی ہے۔

خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ .... (۴/۱)

خدا نے تم سب کو ایک جرثومۂ حیات سے پیدا کیا ہے!

پیدائش کے اعتبار سے تم سب کی اصل ایک ہے۔ تم سب ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی شاخ کے پتے ہو۔ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ ایک درخت کی ایک شاخ، دوسری شاخ کی تباہی کی فکر میں رہتی ہو، اور ایک پتّا دوسرے پتّے کی گھات میں بیٹھا ہو کہ وہ کب غافل ہو اور یہ اسے نگل جائے؟ درخت سرسبز و شاداب ہوتا ہے تو اس کی ہر شاخ اور ہر پتّے میں زندگی اور تازگی کی نمود ہوتی ہے۔ اگر وہ خشک ہوتا ہے تو اس کی ہر ٹہنی مرجھا جاتی ہے۔

وحدتِ انسانیّت

یاد رکھو!

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (۳۱/۲۸)

تم سب کا پیدا کرنا اور دوبارہ اٹھانا، ایک نفس (کی پیدائش اور بعث) کی طرح ہے۔

اس لئے کہا کہ شروع میں تمام نوعِ انسان ایک برادری تھی لیکن اس کے بعد لوگوں نے باہمی اختلافات شروع کر دیئے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (۱۰/۱۹)

اور تمام نوعِ انسان ایک اُمّت (برادری) تھی پھر انہوں نے باہمی اختلافات شروع کر دیئے۔

اور اس طرح مختلف خاندانوں، قبیلوں، نسلوں، گروہوں، قوموں اور مذہبوں میں بٹ گئے۔ جب ان میں اس طرح اختلافات شروع ہو گئے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کا دشمن ہو گیا تو خدا نے اپنی طرف سے حضراتِ انبیاء کرامؑ کو بھیجنا شروع کیا تاکہ وہ ان کے اختلافات مٹا کر پھر سے انہیں ایک عالمگیر برادری بنا دیں۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ .... (۲/۲۱۳)

تمام انسان ایک ہی برادری تھے۔ (پھر انہوں نے باہمی اختلافات سے تفرقہ شروع کر دیا تو) اللہ نے انبیاء کرامؑ کو بھیجا جو انہیں (باہمی اتحاد اور یگانگت کی زندگی کے خوشگوار نتائج کی) خوشخبری دیتے تھے اور (اختلاف و افتراق کے تباہ کن عواقب سے) آگاہ کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ اللہ نے ضابطہ قوانین بھی بھیجا تاکہ وہ لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ کریں۔

ان تمام انبیاء کرامؑ کا پیغام ایک ہی تھا۔ یعنی وحدتِ انسانیت۔ یہی پیغام حضرت نوحؑ کا تھا، یہی حضرت ابراہیمؑ کا۔ یہی حضرت موسیٰؑ لے کر آئے تھے، یہی حضرت عیسیٰؑ لے۔ اور آخر الامر یہی پیغام نبی اکرمؐ نے نوعِ انسان تک پہنچایا تھا۔

انبیاء کرام کی دعوت

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ إِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ إِلَيْهِ ...... (۴۲/۱۳)

(اے رسول) اللہ نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا۔ اور وہی وحی ہم نے تمہاری طرف کی ہے۔ اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا۔ (وہ حکم یہ تھا کہ) خدا کے مقرر کردہ نظامِ زندگی (الدین) کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ مت ڈالو۔

(یہی دعوت تمہاری ہے) لیکن جس بات کی طرف تو انہیں بلاتا ہے مشرکین پر وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے۔

یہاں اس بات کو ذرا غور سے سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ انسانوں کے اختلافات مٹا کر ان میں وحدت پیدا کرنے کی دعوت

مشرکین پر بڑی گراں گزرے گی۔ اس نکتہ کی وضاحت ذرا آگے چل کر کی جائے گی۔

چونکہ ان انبیاء کرامؑ کا پیغام ایک تھا اس لئے یہ سب کے سب ایک ہی برادری کے افراد تھے۔ یہی وہ جماعت تھی جس کے متعلق نبی اکرمؐ سے کہا گیا کہ

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ‏(۲۱/۹۲)

یہ تمہاری جماعت ایک ہی برادری ہے۔ اور میں تم سب کا رب ہوں۔ سو تم میری محکومیت اختیار کرنا۔

جو لوگ حضراتِ انبیاء کرامؑ کی اس دعوت پر ایمان لا کر، باہمی تفرقے مٹا دیتے تھے اور اس طرح ایک خدا کی محکومیت اختیار کر کے، ایک برادری بن جاتے تھے، وہ ایک اُمّت قرار پاتے تھے۔ جو اس دعوت سے انکار کر کے، اپنے اپنے اختلافات پہ قائم رہتے تھے، وہ دوسرا فریق بن جاتے تھے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

دو جماعتیں

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ‏(۶۴/۲)

اللہ وہ ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا۔ پھر تم سے کچھ لوگ نہ ماننے والے (کافر) بن گئے اور کچھ ماننے والے (مومن) ہو گئے۔

جو لوگ اس دعوت پر ایمان لا کر اپنے اختلافات مٹا دیتے تھے، ان میں باہمی تفرقہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جماعتِ مومنین کے اندر، تفرقہ کتنا سنگین جرم ہے، اس کا اندازہ بنی اسرائیل کے اس واقعہ سے لگائیے جسے قرآن کریم نے سورۂ طٰہٰ میں بیان کیا ہے۔ بات یوں ہوئی کہ حضرت موسیٰؑ کچھ دنوں کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے گئے اور اپنی جگہ حضرت ہارونؑ کو بنی اسرائیل کا نگران بنا کر چھوڑ گئے۔ یاد رہے کہ حضرت ہارونؑ بھی حضرت موسیٰؑ کی طرح خدا کے رسول تھے۔

تفرقہ سنگین جرم ہے

بنی اسرائیل اپنی جہالت سے سامری کے فریب میں آ گئے اور انہوں نے گئوسالہ (بچھڑے) کی پرستش شروع کر دی۔ حضرت ہارونؑ نے انہیں نرمی سے سمجھایا لیکن وہ اپنی روش سے باز نہ آئے۔ جب حضرت موسیٰؑ واپس آئے تو وہ قوم کی اس حالت کو دیکھ کر سخت برافروختہ ہوئے۔ انہوں نے حضرت ہارونؑ سے کہا کہ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا ۙ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ‏(۲۰/۹۲-۹۳) جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ لوگ اس طرح گمراہ ہو رہے ہیں، تو وہ کونسی بات تھی جس نے تمہیں اس سے روکا کہ جس طرح میں ان پر سختی کیا کرتا ہوں، تم بھی اسی طرح کرو"؟

آپ نے سوال سن لیا؛ اب اس کا جواب سنیئے۔ اسے پھر سمجھ لیجئے کہ یہ جواب ایک نبیؑ کی طرف سے دیا جا رہا ہے، اور دوسرا نبیؑ اس جواب کو سن رہا ہے۔ جواب یہ تھا کہ

اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ‏(۲۰/۹۴)

میں اس سے ڈر گیا کہ تم کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا کر دیا اور میری بات یاد نہ رکھی۔

اس جواب سے حضرت موسیٰؑ مطمئن ہو گئے۔ یعنی انہوں نے بھی اس سے اتفاق کیا کہ حضرت ہارونؑ نے اچھا کیا کہ تھوڑے سے وقت کے لئے قوم کی جہالت کو گوارا کر لیا اور انہیں تفرقہ سے بچا لیا۔ یعنی قوم میں تفرقہ ایسا شدید

جرم ہے کہ اس سے بچنے کے لئے کچھ وقت کے لئے شرک جیسی جہالت کو بھی برداشت کر لیا جا سکتا ہے۔

اس مقام پر یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ حضرت ہارون ؑ نے بنی اسرائیل کی اس جہالت کو صرف حضرت موسیٰ ؑ کی واپسی تک (عارضی طور پر) گوارا کر لیا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ (معاذ اللہ) مستقل طور پر حق کو چھوڑ باطل پرستی پر راضی ہو گئے تھے تاکہ قوم میں اتحاد قائم رہے۔ حق کو چھوڑ کر اتحاد پیدا کرنا، جائز قرار نہیں پا سکتا۔ حضرت ہارون ؑ نے بنی اسرائیل کو ان کی جہالت پر روکا تھا۔ البتہ سختی نہیں کی تھی۔ ان سے حضرت موسیٰ ؑ کی واپسی تک نرمی برتی تھی۔ بہرحال قرآن کریم کے اس بیان سے واضح ہے کہ اس کی نگاہ میں تفرقہ کس قدر سنگین جرم ہے۔

قرآن کریم یہیں یہ بھی بتاتا ہے کہ ایک نبی آتا اور اپنے متبعین کے اختلافات مٹا کر انہیں امتِ واحدہ بنا جاتا۔ لیکن اس کے چلے جانے کے بعد، وہ لوگ آپس میں تفرقہ پیدا کر لیتے۔ وہ کیوں ایسا کر لیتے، اس کا جواب اس

نبی کے بعد اختلافات

نے ایک لفظ میں دیا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں ہے: وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ (۴۲/۱۴) "خدا کی طرف سے وحی آ جانے کے بعد، وہ باہمی ضد کی بنا پر آپس میں تفرقہ پیدا کر لیتے"۔ یعنی یہ بات نہیں تھی کہ ان کی نگاہوں سے حقیقت گم ہو جاتی۔ یا وہ وحدتِ امت اور باہمی اخوت و الفت کی برکات کے قائل نہ رہتے، اس لئے تفرقہ پیدا کر لیتے۔ بالکل نہیں۔ وہ ان تمام باتوں کو اچھی طرح جانتے، لیکن محض ایک دوسرے کی ضد سے، ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کے جذبہ کے تحت، دوسروں سے بڑا بننے کے خیال سے، باہمی تفرقہ پیدا کر لیتے۔ اس طرح امت، مختلف فرقوں میں بٹ جاتی اور ان کے مذہبی پیشوا یا سیاسی لیڈر، ایک دوسرے کی ضد سے، فرقہ بندی کی گرہوں کو مضبوط کرتے رہتے۔ اسی میں ان کی "چودھراہٹ" کا راز تھا۔ اس سے وہ بڑے بنتے تھے۔

یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ تا آنکہ نبی اکرم ؐ تشریف لائے۔ آپ کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا کہ نوعِ انسان کے ان اختلافات کو مٹا کر، انہیں امتِ واحدہ بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ؐ کو قرآن کریم ملا جو ان تمام امور کو کھول کھول کر بیان کرتا تھا جن میں لوگ اختلاف کرتے تھے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (۱۶/۶۴)۔

اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ تو ان کے سامنے وہ باتیں کھول کر بیان کر دے جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ جو لوگ (اس طرح اپنے اختلافات مٹا کر) اس کتاب پر ایمان لے آئیں گے یہ ان کی صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کرے گی اور ان کے لئے موجب رحمت بنے گی۔

امتِ مسلمہ

چنانچہ اس طرح نبی اکرم ؐ نے ایک امت متشکل فرمائی جس میں کوئی باہمی اختلاف نہیں تھا۔ ان کا ضابطہ حیات (قرآن کریم) ایک تھا۔ ان کا نظام زندگی ایک تھا۔ ان کا نصب العین ایک تھا۔ ان کا راستہ ایک تھا۔ منزل ایک تھی۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ (۲/۱۴۳)۔ اور

اس طرح ہم نے تمہیں ایسی اُمّت بنا دیا جو تمام افرادِ انسانیہ سے یکساں فاصلہ پر ہے (یعنی اس کے نزدیک تمام انسان ایک جیسے ہیں)۔ اس اُمّت کا فریضہ ہے کہ یہ تمام اقوامِ عالم کے اعمال کی نگران رہے۔ اور ان کے اعمال کا نگران ان کا رسول ہو۔

یہ اُمّت بنائی اور اس سے تاکیداً کہہ دیا کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا۔ تم سب خدا کے اس ضابطۂ حیات (قرآنِ کریم) کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ اس سے تمہاری وحدت قائم رہے گی۔ وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ اور دیکھنا! آپس میں تفرقہ پیدا نہ کر لینا۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً۔ تم اللہ کے اس انعام کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ۔ اس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی اُلفت ڈال دی۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔ اور اس طرح اس نے اپنے فضل و عنایات سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔ تم تباہی کے جہنم کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔ سو اس نے تمہیں، اس میں گرنے سے بچا لیا۔ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (۳/۱۰۲) اس طرح اللہ اپنے احکام و دلائل تم سے واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تم سیدھے راستے پر چلتے رہو۔

قرآنِ کریم کی یہ آیاتِ جلیلہ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ ان میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت لوگوں کی حالت یہ تھی کہ وہ باہمی اختلافات اور تفرقہ سے تباہی اور بربادی کے جہنم کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ وہ اس میں گرا ہی چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا۔ قرآنی تعلیم کے ذریعے، ان کے دلوں سے عداوت کی آگ نکال کر، اس کی جگہ ایک دوسرے کی اُلفت کی ٹھنڈک پیدا کر دی اور اس طرح، انہیں ایک ایسی اُمّت بنا دیا جس میں کوئی اختلاف اور کسی قسم کا تفرقہ نہ تھا۔ یہ سب مسلمان تھے۔ ان میں کوئی فرقہ نہیں تھا۔ یہ سب بھائی بھائی تھے۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے نفرت، بغض، حسد اور عداوت کے جذبات نہیں تھے۔ ان کا نظام ایک تھا۔ ان میں الگ الگ پارٹیاں نہیں تھیں۔

ان سے کہہ دیا کہ دیکھو! اب تم میں کوئی تفرقہ نہیں رہا۔ خدا کی کتاب تمہارے پاس ہے۔ یہ اختلافات کو مٹانے کے لئے آئی ہے۔ اس لئے وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۙ (۳/۱۰۴) اب تم کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جنہوں نے خدا کی طرف سے واضح تعلیم آ جانے کے بعد، فرقے پیدا کر لئے اور باہمی اختلاف کرنے لگ گئے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے سخت عذاب ہے۔

وحدت کی تاکید

ان سے اس سے بھی زیادہ تاکید سے کہا گیا کہ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ (۳۰/۳۱) یعنی تم (خدائے واحد پر ایمان لانے کے بعد) پھر سے مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔ آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ کوئی شخص خدائے واحد پر ایمان لانے کے بعد مشرک کس طرح ہو سکتا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ اس میں حیرت کی کونسی بات ہے۔ وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ (۱۲/۱۰۶)۔ لوگوں میں اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان کے مدعی بھی ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ، مشرک بھی ہوتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ تمہاری سمجھ میں یہ

بات اس لئے نہیں آئی کہ تم سمجھتے ہوں کہ مشرک وہی ہوتے ہیں جو بتوں کو پوجتے ہیں۔ لیکن شرک اتنا ہی نہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ اور یہ وہ شرک ہے جس میں ایمان کے مدعی بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ شرک کیا ہے؟ غور سے سنیئے۔ ارشاد ہے۔ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ دیکھنا! تم کہیں مشرکین میں سے نہ ہو جانا — مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کر دیئے اور خود بھی ایک گروہ بن کر بیٹھ گئے۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ○ (۳۰/۳۱-۳۲)۔ فرقہ بندی سے لوگوں کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر گروہ اپنے اپنے مسلک پر اتراتا ہے۔ ہر فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور باقی سب باطل پر ہیں۔ میں جنتی ہوں، باقی سب جہنمی ہیں۔

فرقہ بندی شرک ہے

آپ نے غور فرمایا کہ قرآن کریم کی رو سے دین میں اختلاف پیدا کرنا اور فرقے بنانا کس قدر سنگین جرم ہے؟ آپ نے شروع میں دیکھا تھا کہ نبی اکرمؐ سے کہا گیا تھا کہ آپ جو اتحاد اور اتفاق، وحدت اور یگانگت کی دعوت دیتے ہیں۔ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۖ (۴۲/۱۳) یہ بات مشرکین پر بڑی گراں گزرتی ہے۔ اب آپ نے دیکھ لیا کہ یہ "مشرکین" کون ہیں جن پر وحدتِ امت کی دعوت گراں گزرتی ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو دین میں تفرقہ پیدا کریں اور فرقہ بندیاں اور گروہ سازیاں شروع کر دیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق نبی اکرمؐ سے واضح الفاظ میں کہہ دیا گیا کہ

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ (۶/۱۶۰)

جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیا اور خود ایک گروہ بن گئے، اے رسول! تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔

کس قدر واضح ہیں قرآن کریم کے یہ ارشادات کہ جو لوگ دین میں تفرقہ پیدا کریں!

(۱) وہ توحید پرست نہیں، مشرک ہیں۔ اور

(۲) خدا کے رسولؐ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔

یعنی ان سے نہ خدا کا کوئی تعلق ہے، نہ خدا کے رسولؐ کا کوئی واسطہ!

رسول اللہؐ کی زندگی میں ایک مرتبہ منافقین نے امت میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے لئے انہوں نے ایک مسجد بنائی۔ سنئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کے متعلق کیا ارشاد فرمایا۔ سورۂ توبہ میں ہے وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا۔ وہ لوگ جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ اس سے (اسلام کو) مضرت پہنچائی جائے۔ اور کفر کی راہ اختیار کی جائے۔ یہ کفر کی راہ، اور اسلام کے لئے ضرر کا موجب کیا چیز تھی؟ وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ انہوں نے یہ مسجد اس لئے بنائی ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر دیا جائے۔ یہ ہے کفر کی راہ۔ یہ ہے وہ خطرہ جس سے اسلام کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ یہ مسجد نہیں۔ إِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ ۚ۔ یہ اس شخص کے لئے کمین گاہ ہے جو اس

مسجدِ ضرار

سے پہلے خدا اور اس کے رسول کے لئے جنگ کرتا رہا ہے کہ وہ اس کی اوٹ میں، بیٹھ کر، اسلام کے قلعہ پر گولہ باری کرے۔ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ۔ یہ لوگ قسمیں کھائیں گے کہ ہمارے ارادے بڑے نیک ہیں۔ ہم یہ سب کچھ کارِ خیر سمجھ کر کر رہے ہیں۔ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ ۔ اللہ اس کی شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ پکے جھوٹے ہیں۔ لہٰذا اے رسول! لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا (۹/۱۰۷-۱۰۸)۔ تم ہرگز ہرگز اس مسجد میں قدم نہ رکھنا۔

آپ نے غور کیا کہ قرآن کریم کی رو سے امت میں تفرقہ پیدا کرنا، کتنا بڑا جرم ہے؟ اتنا بڑا جرم کہ اگر کوئی مسجد بھی مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کا موجب بنے تو اس مسجد میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ وہ مسجد نہیں، ایسی کمین گاہ ہے جس میں بیٹھ کر، دشمنانِ دین، حصارِ ملت پر گولہ باری کرتے ہیں۔

ایک طرف اس امت کو تفرقہ اور اختلافات سے بچنے کی اس قدر سخت تاکیدات کیں اور دوسری طرف یہ حقیقت ان کے دل پر اچھی طرح منقوش کر دی کہ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (۴۹/۱۰) یاد رکھو! سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (۴۸/۲۹)۔

محمد اللہ کا رسول۔ اور جو لوگ اس کے ساتھی ہیں، وہ کفار کے مقابلہ میں (چٹان کی طرح) سخت ہیں اور آپس میں نہایت نرم دل اور مرحمت کوش۔

ان کے باہمی اتفاق، ایک جہتی، اور باہم پیوستگی کا یہ عالم ہے: كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۝ (۶۱/۴) گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

یہ تھی وہ امت جسے قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق نبی اکرمؐ نے متشکل فرمایا۔ اس امت میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ کسی قسم کا تفرقہ نہیں تھا۔ کوئی فرقہ نہیں تھا۔ کوئی الگ الگ پارٹیاں نہیں تھیں۔ حضورؐ کو ان کی وحدت اور باہمدگر محبت اور الفت کا اس قدر خیال تھا کہ آپؐ نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ

حجۃ الوداع کا خطبہ

اے لوگو! یقیناً تمہارا رب ایک ہے۔ اور تمہارا باپ ایک ہے۔ (یعنی تم سب اصل کے اعتبار سے ایک ہو) عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر۔ سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے۔

یاد رکھو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔

تمہارا خون اور تمہارا مال قیامت تک اس طرح (ایک دوسرے پر) حرام ہے جس طرح یہ دن، اس مہینے میں اور اس شہر میں حرام (واجب الاحترام) ہے۔

پھر فرمایا:-

میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر تم نے اسے مضبوط پکڑ لیا تو تم گمراہ نہیں ہو گے،
وہ چیز کیا ہے؟ ——— کتاب اللہ!

(صحاح۔ بحوالہ سیرۃ النبیؐ۔ علامہ شبلی۔ جلد دوم صفحہ ۱۵۶-۱۵۲)

مسلمانوں کے خون کے واجب الاحترام ہونے کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قرآنِ حکیم نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○ (۴/۹۳)

اور جو (مسلمان) کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ رہے گا۔ اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہو گی۔ اور اس کے لئے خدا نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ان تاکیدی احکام کے ساتھ نبی اکرمؐ نے اس اُمّتِ واحدہ کو اپنے پیچھے چھوڑا۔ پھر اس اُمت سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ وحدت اور اتحاد، صرف نبی اکرمؐ کی زندگی تک ہے۔ حضورؐ کے بعد، اس میں اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اور یہ اُمت فرقوں اور پارٹیوں میں بٹ سکتی ہے۔ ان سے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ محمدؐ بجز این نیست کہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولؐ ہو گذرے ہیں۔ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ سو اگر یہ (کل کو) وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں، تو کیا تم (یہ سمجھ کر کہ یہ سارا نظام اور اُمت کی وحدت آپ کی زندگی تک تھی) پھر سے اُسی روشِ کہن کی طرف پلٹ جاؤ گے (اور فرقوں اور گروہوں میں بٹ جاؤ گے) وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ (۳/۱۴۴) اور جو کوئی اس روشِ کہن کی طرف پلٹ جائے گا تو وہ اس سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے (کچھ اپنا ہی نقصان کرے گا)۔

———— (○) ————

ہماری حالت

یہ تھی وہ اُمّتِ واحدہ جسے نبی اکرمؐ نے چھوڑا۔ اس کے بعد، تاریخ کے اوراق کو چودہ سو سال آگے کی طرف اُلٹیئے اور دیکھئے کہ آج اُسی اُمتِ واحدہ کی کیا صورت ہے؟ تعداد کے اعتبار سے دیکھئے تو آسمان کے تاروں کی طرح اَن گنت۔ (کم از کم نوے کروڑ کا تو عام اندازہ ہے)۔ جغرافیائی پوزیشن کے اعتبار سے دیکھئے تو کرۂ ارض کے بیچوں بیچ، مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک، ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر۔ لیکن اختلافات کو دیکھئے تو انسان محوِ حیرت رہ جاتا ہے کہ کیا یہ وہی اُمت ہے جس کی وحدت کے متعلق قرآن کریم نے اتنے تاکیدی احکام دیئے تھے؟ کہیں نسلوں کا اختلاف ہے ——— یہ مغل، وہ پٹھان، یہ ترک وہ عرب ——— کہیں قومیتوں کا اختلاف ہے ——— یہ مصری وہ ایرانی۔ یہ عراقی

وہ حجازی، یہ ہندی وہ چینی ——— یہ تو رہے نسلی اور وطنی اختلافات۔ اس سے آگے بڑھئے تو ایک ہی ملک کے اندر ذاتوں اور برادریوں کے اختلاف ——— شیخ، مرزا، راجپوت، پٹھان، جاٹ، ارائیں ——— پھر صوبائی اختلاف ——— سندھی، پنجابی، سرحدی، بلوچی ——— ان سب اختلافات سے اوپر، اور سب سے گہرا مذہبی فرقہ بندی کا اختلاف ——— یہ شیعہ وہ سُنّی۔ یہ حنفی وہ وہابی۔ یہ دیوبندی وہ بریلوی۔ یہ اہلِ حدیث وہ اہلِ قرآن ——— ان کے علاوہ سیاسی پارٹیوں کے اختلافات ——— جب انسان اس اُمت کو دیکھتا ہے جسے نبی اکرمؐ نے چھوڑا تھا، اور اس کے بعد اس اُمت پر نظر ڈالتا ہے جو آج کل ہمارے سامنے ہے، تو وہ انگشت بدنداں رہ جاتا ہے ——— یقیناً آسمان کی آنکھ نے ایسا انقلاب کبھی نہیں دیکھا ہوگا! یہ اختلافات کیسے رونما ہوئے اور اُمتِ واحدہ، اس قدر تاکیدات کے باوجود، اتنے ٹکڑوں میں کیسے بٹ گئی، یہ ایک جگر پاش داستان ہے جسے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں دیکھنا یہ چاہیئے کہ اس کے بعد کیا پھر سے وہی وحدت پیدا ہو سکتی ہے؟ اور اگر ہو سکتی ہے تو کس طرح؟

کیا یہ اختلافات مٹ سکتے ہیں

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے (یعنی اس سوال کا کہ یہ اختلافات مٹ کر اُمت پھر سے اُمتِ واحدہ بن سکتی ہے یا نہیں) تو اس کے جواب کے لئے قرآنِ کریم کی اس آیت کو ایک بار پھر سامنے لایئے جس میں نبی اکرمؐ سے کہا گیا تھا کہ

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (۱۶/۶۴)

اور ہم نے تیرے اوپر یہ کتاب نازل ہی اس لئے کی ہے کہ تو لوگوں پر ان باتوں کو واضح کر دے جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔

یعنی قرآنِ کریم کا دعوے یہ ہے کہ وہ تمام نوعِ انسان کے اختلافات کو مٹانے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کے نزول کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اختلافی امور کو واضح کر کے دودھ اور پانی کو الگ الگ کر کے بتا دے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ہم قرآن کی موجودگی میں یہ کہیں کہ ہمارے اختلافات کے مٹنے کی کوئی شکل نہیں، تو اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ (معاذ اللہ) قرآن کا یہ دعوے غلط ہے کہ وہ اختلافات مٹا سکتا ہے، اور یا یہ کہ قرآن کے اس دعوے پر ہمارا ایمان نہیں۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کا دعویٰ ہے کہ ان کا عقیدہ اور مسلک قرآنِ کریم کے مطابق ہے۔ اگر اس بات کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خود قرآنِ کریم میں (معاذ اللہ) اختلافی باتیں ہیں، جبھی تو اس سے ہر فرقہ کو اس کے مسلک کی تائید مل جاتی ہے۔

ضرار

لیکن یہ چیز خود قرآنِ کریم کے دعوے کے خلاف ہے۔ اس نے کہا ہے کہ میرے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مجھ میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ

اخْتِلَافًا كَثِيرًا - (۴/۸۲)

کیا یہ لوگ قرآن میں غور و تدبر نہیں کرتے؟ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں یہ بہت سے اختلافات پاتے۔ ان تصریحات سے واضح ہے کہ

(۱) قرآنِ کریم میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ اس لئے اس سے مختلف فرقوں کو اپنے اپنے مسلک کی تائید میں سند نہیں مل سکتی۔

(۲) قرآنِ کریم دنیا کے اختلافات مٹانے کے لئے آیا تھا۔ اس میں آج بھی یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ ہمارے اختلافات مٹا دے۔

لیکن۔ کس طرح

اس سے دوسرا سوال سامنے آتا ہے کہ یہ اختلافات مٹ کس طرح سکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (۴۲/۱۰) تم جس بات میں بھی اختلاف کرو، تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہونا چاہیئے۔ یعنی ہر اختلافی معاملہ میں فیصلہ خدا سے لینا چاہیئے "خدا سے فیصلہ لینے" کے معنی یہ ہیں کہ اس کی کتاب سے فیصلہ لیا جائے۔ ہر اختلافی معاملہ میں قرآنِ کریم کو حَکَم مانا جائے۔ اسے ثالث تسلیم کیا جائے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ قرآنِ کریم سے فیصلہ کس طرح لیا جائے؟ کیا اس طرح کہ جن دو فرقوں یا پارٹیوں میں اختلاف ہو، وہ اپنے اپنے طور پر قرآنِ کریم سے فیصلہ لے لیں؟ اس طرح تو اختلافات مٹ نہیں سکتے۔ ہم آئے دن، مختلف فرقوں کے مناظرہ کرنے والوں کو دیکھتے ہیں۔ دونوں فریق، قرآن کی آیات پیش کرتے ہیں، لیکن یہ اُسے کہتا ہے کہ تم نے قرآن کے غلط معنی کئے ہیں یا غلط مفہوم لیا ہے، اور وہ اِسے بھی الزام دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دن بھر مناظرہ ہوتا رہتا ہے اور شام کو اس کا خاتمہ اکثر جھگڑے اور فساد سے ہوتا ہے۔ ہزار برس سے یہ مناظرے ہو رہے ہیں لیکن ان سے کوئی فرقہ مٹ نہیں سکا۔ بلکہ ان میں اضافہ ہوتا چلا گیا ہے۔ لہٰذا قرآنِ کریم سے فیصلہ لینے کا یہ طریق صحیح نہیں۔ اختلافی امور میں فیصلہ کے لئے کسی تیسری پارٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی کو حَکَم یا ثالث کہتے ہیں۔ یہ وہ طریق تھا جسے نبی اکرمؐ کے زمانے میں خود اللہ تعالےٰ نے تجویز کیا تھا۔ اس نے حضورؐ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (۴/۶۵)۔

ایک زندہ اتھارٹی کی ضرورت

تیرے رب کی قسم ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب اپنے اختلافی معاملہ میں تجھے اپنا ثالث (حاکم) نہ بنائیں۔ پھر تیرے فیصلہ سے اپنے دل میں بھی کوئی گرانی محسوس نہ کریں بلکہ اس کے سامنے (بہ طیبِ خاطر) سرِ تسلیم خم کر دیں۔

مومنین پر یہ شرط عائد کی، اور نبی اکرمؐ کو حکم دیا کہ جب یہ لوگ کسی اختلافی معاملہ میں فیصلہ کرانے کے لئے تیرے پاس آئیں تو فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ ..... (۵/۴۸) تو ان میں قرآنِ کریم کے

مطابق فیصلہ کیا کرے"۔

یہ تھا وہ عملی طریق جس سے اُمت میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا تھا۔ لیکن یہاں یہ سوال سامنے آئے گا کہ یہ عملی طریق تو رسول اللہؐ کی زندگی میں کارفرما تھا۔ رسول اللہؐ کے بعد کون سا عملی طریق اختیار کیا جائے گا؟

اس سوال کا جواب قرآن کریم نے خود ہی دے دیا تھا۔ جب اس نے کہا تھا کہ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ..... (۳/۱۴۴)۔ کیا اگر کل کو (رسول اللہ) وفات پاجائیں یا قتل کر دیئے جائیں، تو تم (یہ سمجھ کر کہ یہ سلسلہ صرف حضورؐ کی ذات تک محدود تھا) پھر اپنے پرانے طریقے کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہی عملی طریق جو رسول اللہ کی زندگی میں رائج تھا حضورؐ کے بعد بھی جاری رہنا تھا۔ اسلام کا نظام حضورؐ کی طبیعی زندگی تک محدود نہیں تھا۔

حضورؐ کے بعد!

اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ حضورؐ کے بعد، اس سلسلہ کی عملی شکل کیا ہوگی؟ اس کا جواب بھی قرآن کریم نے خود ہی دے دیا تھا۔ اس نے بتایا کہ نبی اکرمؐ کا فریضہ یہ تھا کہ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (۷/۱۵۷)" وہ لوگوں کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے"۔ یعنی جن امور کو قرآن نے صحیح ٹھہرایا ہے وہ ان کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور جنہیں اس نے غلط قرار دیا ہے وہ لوگوں کو ان سے روکتا ہے۔ رسول اللہؐ کے بعد یہی فریضہ اُمت کا قرار پاجاتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳/۱۰۹)" تم بہترین اُمت ہو جسے نوعِ انسان کی بھلائی کے لئے متشکل کیا گیا ہے۔ تم لوگوں کو معروف کا حکم دیتے ہو۔ اور منکر سے روکتے ہو"۔ اسی اُمت کو خدا نے اپنی کتاب کا وارث قرار دیا ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (۳۵/۳۲)"۔ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث انہیں بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے اس مقصد کے لئے چن لیا تھا"۔ لہٰذا، رسول اللہؐ کے بعد، اُمت کا فریضہ قرار پاگیا کہ وہ ایسا انتظام کرے کہ لوگ اپنے اختلافی امور کے فیصلہ کے لئے ایک حکم (ثالث) کی طرف رجوع کیا کریں جو ان امور کا فیصلہ

قرآنی نظامِ حکومت

قرآن کریم کے مطابق کرے۔ یعنی یہ اُمت "باہمی مشورہ سے" (۴۲/۳۸) ایسا نظامِ حکومت قائم کرے جس میں تمام اختلافی امور کے فیصلے قرآن کے مطابق ہوتے رہیں۔ چنانچہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا جو فریضہ سب سے پہلے رسولؐ کا اور حضورؐ کے بعد اُمت کا قرار دیا گیا ہے، وہی فریضہ اسلامی حکومت کا قرار دیا گیا ہے۔ سورۂ حج میں ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ..... (۲۲/۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں تمکن عطا کریں گے تو یہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں گے اور معروف کا حکم دیں گے اور نہی سے روکیں گے۔

نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد اُمّت نے، باہمی مشورہ سے، اسی قسم کی حکومت قائم کی تھی۔ جسے خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ کرنے میں جو فرائض اپنی زندگی میں رسول اللہؐ نے سرانجام دیئے تھے، حضورؐ کی وفات کے بعد وہی فرائض "رسول اللہؐ کا جانشین" (خلیفۃ الرسولؐ) سرانجام دیتا تھا۔ یعنی اسلامی حکومت (خلافتِ علیٰ منہاجِ رسالت) لوگوں کے اختلافی امور کے فیصلے قرآن کریم کے مطابق کرتی تھی۔

جانشینانِ رسولؐ

جب اُمّت نے اس عمل طریق کو چھوڑ دیا تو اس میں اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ اب ان اختلافات کو مٹانے کا طریق یہ ہے کہ پھر سے اسی قسم کی حکومت قائم کی جائے۔ یعنی ایسی حکومت جو قرآن کریم کے مطابق فیصلے کرے۔ جب ہم نے یہ عمل طریق اختیار کر لیا تو قرآن کریم کا یہ دعویٰ سچا ثابت ہو کر سامنے آ جائے گا کہ یہ کتاب نوعِ انسان کے اختلافات مٹانے کے لئے آئی تھی۔ اور اس میں آج بھی یہ صلاحیت موجود ہے کہ اُمّت کے اختلافات مٹا سکے۔

سیاسی پارٹیاں

قرآنی نظامِ حکومت میں سیاسی پارٹیاں بھی باقی نہیں رہتیں۔ یہ پارٹیاں وحدتِ اُمّت کو پارہ پارہ کر دیتی ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے پارٹی بازی کو سنگین جرم قرار دیا ہے۔ (مثلاً) جب حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا گیا کہ وہ فرعون کے خلاف اپنی مہم شروع کریں تو فرعون کے جرائم میں ایک شق یہ بھی تھی کہ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا۔ (۲۸/۴) "فرعون نے ملک میں سرکشی اختیار کر رکھی ہے اور اس کے باشندوں کو پارٹیوں میں تقسیم کر دیا ہے"۔ یعنی فرعون کا یہ جرم اتنا سنگین تھا کہ اسے اس سے روکنے کے لئے حضرت موسیٰؑ کو مامور کیا گیا۔ قرآن نے کسی ملک میں پارٹیوں کے وجود کو، اس ملک کے لئے خدا کا عذاب قرار دیا ہے۔ سورۂ انعام میں ہے۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ۔ ان سے کہہ دو کہ خدا اس پر قادر ہے کہ تم پر اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے۔ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ۔ یا تمہاری پارٹیاں بنا کر تمہیں آپس میں بھڑا دے اور (اس طرح) تمہیں ایک دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝ (۶/۶۵) "دیکھو! ہم کس طرح ان احکام و دلائل کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ بات کو سمجھ سکیں"۔

اس نظامِ حکومت میں ساری اُمّت شریک ہو گی۔ یعنی یہ ساری اُمّت کے باہمی مشورہ سے قائم ہو گا، اور تمام اُمور کے فیصلے، نمائندگانِ اُمّت کے باہمی مشورہ سے، قرآن کریم کے مطابق کئے جائیں گے۔ اس میں حکومت کسی خاص پارٹی کی نہیں ہو گی۔ نہ ہی حکومت کے مقابلہ میں کوئی پارٹی ہو گی جو ہر وقت اس فکر میں لگی رہے کہ کسی طرح حکومت کو ناکام بنا کر، خود حکومت کی کرسیاں سنبھال لے۔ بغیر کسی پارٹی کے اُمّت کی مشترکہ حکومت، یہ ہے قرآنی نظام کی خصوصیت۔

اس وحدت سے ذاتوں اور برادریوں کی کش مکش ختم ہو جائے گی اور اس سے سندھی اور پنجابی، سرحدی اور بلوچی کا تفرقہ مٹ جائے گا۔ یہ سب قطرے، اُمّت کے سمندر میں مل کر، خود سمندر بن جائیں گے۔ ہر ایک اپنے آپ کو مسلمان کہے گا کہ یہی نام ہمارے خدا نے ہمارے لئے تجویز کیا تھا۔ (هُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ (۲۲/۷۸))، اور مسلمان اور مسلمان میں کوئی تفریق یا مغائرت باقی نہیں رہے گی۔ سب آپس میں ——— بھائی بھائی ہوں گے ——— ایک دوسرے کے خیرخواہ، اور خدا کے سپاہی۔ یعنی دنیا میں حق کے محافظ۔

اُمّت میں از سرِ نو وحدت پیدا کرنے کے پروگرام کی ابتدا، کسی ایک ملک سے ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے پاکستان سے زیادہ موزوں اور کوئی خطّہ زمین نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ پاکستان کا مطالبہ، تمام

پاکستان میں وحدتِ ملّت

مسلمانانِ ہند نے، نسلی، لسانی، قبائلی، صوبائی، مذہبی فرقہ دارانہ، غرضیکہ ہر قسم کے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر، بیک زبان کیا تھا۔ اور اس مطالبہ کی بنیاد اس آرزو پر تھی کہ ہم سب اس آزاد مملکت میں اسلامی انداز کی زندگی بسر کر سکیں۔ یہ ہماری بد قسمتی تھی کہ تشکیلِ پاکستان کے بعد، ہم مختلف قسم کے مفادات میں اُلجھ کر رہ گئے اور وحدتِ ملّت، اور اسلامی طرزِ زندگی کے بلند مقاصد ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اگرچہ اس کی آرزو ہمارے دلوں میں مچلتی رہی اور یہ تمنّا ہمارے لب پر دعا بن کر آتی رہی۔ مثلاً (صدرِ مملکتِ پاکستان) فیلڈ مارشل

وحدتِ ملّت

محمد ایوب خان (مرحوم) نے، قاہرہ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے عالمِ اسلام کی توجہ منعطف کرائی تھی جب انہوں نے کہا تھا کہ

> براہِ کرم ایک بات ضرور یاد رکھئے۔ ہم دنیا میں جہاں بھی ہوں، بہ حیثیتِ مسلمان، ہم پر اللہ کی طرف سے، اور خود اپنی طرف سے، ایک وفا شعاری عائد ہوتی ہے جو ہر وفا شعاری سے فائق اور بلند ہے۔ ہماری یہ وفا شعاری ہے ایمان کے ساتھ۔ یہ وہ عہدِ وفا ہے، جو تمام مسلمانانِ عالم کو، ہر قسم کے خارجی تنازعات یا سیاسی اختلافات کے باوجود، باہمی مؤدت اور اُلفت کے محکم اور ناقابلِ شکست رشتہ میں منسلک کئے ہوئے ہے۔ یہ رشتہ، تمام سیاسی رشتوں سے زیادہ قیمتی اور مضبوط ہے۔ ہم میں جب تک یہ (ایمان کا) رشتہ قائم ہے، الجزائر کے مسلمانوں پر تشدد، فلسطینی مہاجرین کے مصائب، کشمیری مسلمانوں پر مظالم اور اسرائیلی حکومت کی طرف سے (آئے دن کی) دھمکیاں، پوری کی پوری ملّت کے دل میں یکساں طور پر جذباتِ ہمدردی پیدا کرنے کا موجب ہوں گے۔ آیئے، ہم خدا سے دعا کریں کہ باہمی محبت اور اُلفت کا یہ سرچشمہ، دن بدن وسیع اور گہرا ہوتا چلا جائے اور خدا ہمیں اس سے محفوظ رکھے کہ ہم ایسی متاعِ گراں بہا کو، وقتی مفاد یا ہنگامی جذبات کی قربان گاہ پہ ذبح کر دیں۔ (پاکستان ٹائمز۔۔ [illegible] نومبر ۱۹۶۰ء)

لیکن افسوس کہ ان دعاؤں نے آج تک عملی شکل اختیار نہ کی۔

——— (٠) ———